ڈاکٹر محمد حنیف

شیخ سعدی لاہوریؒ

(متوفّی ۱۱۰۸ھ بمطابق ۱۶۹۶ء)

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اس خطۂ ارض میں بھی دینِ اسلام کی اشاعت و حفاظت کا سہرا علما و مشائخ کرام کے سر ہے کیوں کہ ہر دور میں مذہب و سیاست دونوں کے میدان میں قیادت انھی حضرات نے فراہم کی ہے اور خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ کے اکابر نے تو اس سلسلے میں بڑی اہم اور گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

طریقۂ نقشبندیہ کے بانی حضرت خواجہ بہار الدین نقشبندؒ (متوفی ۷۹۱ھ بمطابق ۱۳۸۸ء) اگرچہ بخارا میں مقیم تھے مگر وہیں سے اپنے مریدین و متوسلین کے ذریعے ساری دنیا پر ضیا پاشی کرتے رہے۔ جہاں تک برصغیر کا تعلق ہے یہاں ناشر الطریقۃ النقشبندیہ فی الہند حضرت خواجہ باقی باللہؒ (المتوفی ۱۰۱۲ھ بمطابق ۱۶۰۳ء) نے اس سلسلے کی بنیاد رکھی اور آپ کے بعد آپ کے بے شمار بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین نے اس طریقے کو بے حد مقبولِ عام بنایا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ جب کبھی یہاں خدمتِ اسلام کی کوئی تحریک اٹھی اس کی پشت پر انھی بوریا نشین حضرات کا سوزِ دروں کار فرما رہا، اور جب بھی گلشنِ اسلام کو تاراج کرنے کی کوئی سازش کی گئی تو یہی بندگانِ خدا سینہ سپر ہو کر میدان میں کود پڑے ہیں۔

اکبر کے دور میں جب الحاد و لادینیت کا سیلاب اُمنڈ آیا تو اس کا رُخ پھیرنے کے لیے بھی علمائے دین اور مشائخ کرام ہی میدان میں اُترے، جنھوں نے اپنے اپنے انداز میں بے حد خدمات انجام دیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے مریدِ خاص حضرت مجدد الف ثانی نے نہایت عمدہ اور موثر طریقے سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع فرمایا۔ پھر حضرت مجدد کے خلیفہ سید آدم بنوری (متوفی ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۱ء) نے ارشاد و ہدایت کی مسند بچھائی اور اپنی دعوت و تبلیغ سے بے شمار حضرات کو متاثر کیا۔

ان حضرات میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ سعدی لاہوری بھی ہیں جنھیں حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفا میں نہایت بلند اور نمایاں مقام حاصل ہے۔

آپ کا نام سعدی، کنیت ابو علیٰ اور والد بزرگوار کا نام ابدال ہے۔ ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۶۲۳ء میں ایمن آباد[1] کے قریب ادی[2] کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن پنجاب اور آبائی پیشہ کاشتکاری تھا[3]۔

---

[1] ایمن آباد گوجرانوالہ کے جنوب مشرق میں آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ایمن آباد ریلوے اسٹیشن سے بجانب مشرق صرف دو میل دور ہے۔ اس کو سیالکوٹ کے ایک مشہور راجپوت راجہ نے آباد کیا تھا۔ اصل قصبہ سید پور کے نام سے مشہور تھا جو سولھویں صدی عیسوی میں شیر شاہ افغان کے ہاتھوں ویران ہوا اور اس کی جگہ شیر گڑھ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا گیا۔ بعد میں ہمایوں کے ایک جرنیل ایمن بیگ نے شیر گڑھ کو منہدم کرکے موجودہ ظفر ایمن آباد تعمیر کرایا۔ اس شہر کی ایک مشہور تاریخی یادگار روڑی صاحب کا گوردوارہ ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ یہاں سکھوں کے رہنما گورونانک نے پتھروں کی روڑی کے ایک چبوترے پر اپنا بچھونا بچھایا تھا۔ یہاں ہر سال اپریل کے مہینے میں بیساکھی کا مشہور میلہ لگتا ہے اور اس موقعے پر سکھ زائرین کثیر تعداد میں ہندوستان سے پاکستان آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:
District Senses of Gujranwala 1961, Chapter III

[2] ظواہر السرائر کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے اس کے ص ۱۶۲ پر اس گاؤں کا نام "آوی" لکھا ہے جب کہ اس کتاب کے ایک دوسرے دستیاب نسخے میں یہ نام "ادی" تحریر کیا گیا ہے مگر چونکہ پنجاب گزیٹیر اور ضلع گوجرانوالہ کی مردم شماری رپورٹ میں اس نام کا کوئی گاؤں موجود نہیں اور نہ کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تائید ہو سکی لہٰذا وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ اس گاؤں کے نام کا اصل تلفظ کیا ہے، ممکن ہے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت سے شہروں اور مقامات کی طرح اس گاؤں کا نام بھی بدل کر کوئی دوسرا نام رکھا گیا ہو یا تغیرات و انقلابات زمانہ کا شکار ہو کر اس کا نام و نشان ہی مٹ چکا ہو۔

[3] ملاحظہ ہو ظواہر السرائر (کتب خانہ شہر کوہاٹ)، ص ۲۱۸۔ جناب عبدالحلیم اثر نے اپنی کتاب روحانی رابطہ کے صفحہ ۶۴۰ پر حضرت سعدی کا مقام پیدائش سرہند اور سن پیدائش ۱۰۰۳ھ بتایا ہے مگر شیخ سعدی کے مرید حضرت میاں محمد عمر چمکنی (المتوفی ۱۱۹۰ھ) کے فوق الذکر بیان سے مولف موصوف کی دونوں باتوں کی تردید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کی ولادت کے بارے میں دو صاحبانِ کشف و کرامت فقرا کی پیشین گوئی

سعدی لاہوری کی زندگی عجیب و غریب واقعات کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں مَیں دولت مند تھا۔ مگر چونکہ گھر میں نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے ہر وقت دل میں بیٹے کی تمنا موجزن رہتی تھی۔ اس سلسلے میں ہمیشہ علما و فقرا سے دعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحبِ کرامت درویش آیا۔ میں اس کو عزت و احترام سے اپنے گھر لے گیا۔ حتی المقدور اس کی خدمت اور مہمان داری کے حقوق ادا کیے۔ جب وہ جانے لگا تو اس سے بیٹے کے لیے دعا کی التجا کی۔ یہ سن کر اس بزرگ کے چہرے پر بشاشت و مسرت کے آثار نمودار ہوئے اور ایک باکمال و سعادت مند فرزند کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ "اللہ کی توفیق و تائید سے تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو اپنے آئینۂ سر کو اخلاقِ ذمیمہ کی برائیوں سے پاک کرے گا اور اپنے چہرۂ روح کو صفاتِ حمیدہ کے زیور سے آراستہ کرے گا تا آنکہ حدِ استقامت کے قریب ہو جائے گا اور اس کمال کے حصول سے صراطِ مستقیم پر چلنے کو اپنے لیے آسان کرے گا اور اوصافِ کمال جو فضائل اخلاق انسانی کے اصول ہیں وہ دس ہیں، اور تمام اچھی صفات کی شاخیں انہی سے نکلتی ہیں۔ وہ دس اصول یہ ہیں۔ علم، حلم، حیا، سخاوت، تقویٰ، شجاعت، عدل، صبر، صدق اور یقین۔ ان صفات کا کمال ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ انبیا، صلحا اور علمائے دین میں سے ہر ایک کو ان حقائق کی مقدار حصول کی نسبت سے روحانیتِ احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ تیرا بیٹا ان حضرات میں سے ایک ہوگا جو ان صفات کے حقائق سے متصف ہوگا اور اللہ کا منظورِ نظر ہوگا۔ وہ اپنے دور میں بے مثل اور دنیا والوں کا رہبر ہوگا۔ طہارت و صفائی، محبت و شوق اور رضا و توحید کی صفات اس پر غالب ہوں گی اور ان صفاتِ کاملہ کے آثار اس پر واضح ہوں گے۔ مشرق و مغرب اس کی دعوت و ارشاد سے منور ہو جائیں گے اور اس کی ذات دنیا والوں کے لیے غنیمت ہوگی۔ اس کا نام "محمد صادق" یا "سعدی" رکھنا اور اس سے محبت رکھنا۔"[۱۲]

فرماتے ہیں کہ جب سعدی حکمِ ایزدی سے ماں کے پیٹ میں قرار پا گئے اور ابھی چند ماہ کے تھے کہ ایک اور

---

[۱۲] جواہر السرائر۔ کتب خانہ کوہاٹ۔ ص ۱۶۵

صاحبِ حال فقیر آیا۔ اس کو بھی اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، میں نے اس سے بھی بیٹے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا:

" سعدی مبارک ہو اور یہ ایک بیٹا ہے جو آپ کے ہاں پیدا ہوگا، جو بساطِ رضا و شکر میں ملازم اور کفر و شر کے آثار کو مٹانے والا ہوگا۔ اگرچہ وہ جہلا کی نظر میں حقیر و بے مقدار ہوگا مگر درگاہِ الٰہی میں بہت بڑا اور برگزار ہوگا۔ فیوض ربانی کو پھیلانے کے لحاظ سے ایک پورا جہان ہوگا۔ اس کے اچھے اخلاق و افعال کی متابعت اہلِ زمانہ کے لیے حصولِ ثواب کا سبب ہوگی اور اس کے آثار اہلِ زمانہ کے لیے رشد و ہدایت کی دلیل ہوں گے۔ تیرا وہ بیٹا عالم علوم اور اساطینِ اربابِ طریقت میں سے ہوگا۔ اس کا نام سعدی رکھنا، اس کی سعادت مندی کا آفتاب ساری دنیا میں چمکے گا" [۵۵]

اللہ کی شان دیکھیے! ان دو درویشوں کی پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اور دنیا نے دیکھا کہ خدائے ذوالجلال نے واقعی آپ کو جلال و جمال کے تمام اوصاف سے مزین فرمایا تھا۔

رہتاس میں آمد اور حق ولی کا ظہور

خداوند کریم نے شیخ سعدی لاہوری کو نہایت تیز حافظہ عنایت فرمایا تھا۔ ابتدا سے لے کر آخر تک اپنی زندگی کے تمام حالات خود بیان کیے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ طفولیت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفرِ کشمیر کے دوران جب سلطان جہانگیر (المتوفی ۱۰۳۷ھ بمطابق ۱۶۲۷ء) کا انتقال ہوگیا اور لوگ اس کی لاش کو لاہور لے جا رہے تھے، ہمارے گاؤں سے بہت سے آدمی اس کی لاش اور لاؤ لشکر کو دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ میرے والد ماجد بھی مجھے کندھے پر بٹھا کر اس راستے کی طرف نکل آئے، اس وقت میری عمر تقریباً تین برس کی تھی [۵۶]

سعدی فرماتے ہیں کہ میرے نانا رہتاس میں رہتے تھے اور میری نانی صوم و صلوٰۃ کی پابند ایک زاہدہ و عابدہ اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ میں پانچ برس کا تھا کہ وہ مجھے رہتاس [۵۷] لے گئیں اور جب میں

---

۵۵ ظواہر السرائر، ورق ۲۱۸ ۵۶ ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۲۳

۵۷ رہتاس (یا روتاس) ایک مشہور قلعہ ہے جس کا بانی شیر شاہ سوری ہے اور جہلم سے مغرب کی جانب دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (تاریخ سلطانی، ص ۴۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۵۵۷۔

اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ قلعہ رہتاس سے باہر آتا تھا تو میری نانی فرماتیں کہ قلعے کے دروازے کی جانب ایک لال برج ہے وہاں ایک جن ولی رہتا ہے اس طرف ہرگز نہ جانا ایسا نہ ہو وہ تجھ پر ظاہر ہو جائے اور تجھے اس کے دیکھنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے نقصان پہنچ جائے۔ سعدی فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اس طرف جانے سے احتراز کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک رات میں پڑوس کے لڑکوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر چکا تو تمام لڑکے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں تنہا ایک پتھر پر بیٹھا رہ گیا۔ دریں اثنا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ جن ولی، جو اس برج میں رہتا ہے اور میری نانی اکثر اوقات مجھے اس کے متعلق بتاتی ہیں اور اس طرف جانے سے روکتی ہیں، ظاہر ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس برج سے روشنی نمودار ہوئی اور ساتھ ہی نقارہ بجنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ میں عصا لیے ہوئے، دستار باندھے ہوئے، سفید لباس میں ملبوس ایک معمر بارعب بزرگ ظاہر ہوا۔ وہ نہایت وقار و تمکنت سے آگے بڑھتا ہوا میرے بہت قریب آپہنچا۔ میں نے اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی اور اپنے کام میں لگا رہا۔ وہ میرے پاس بہت دیر تک کھڑا رہا، میں سمجھ گیا کہ وہ میرے حال کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اس لال برج کی جانب روانہ ہوا اور روشنی غائب ہو گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اپنی خبر نہ رہی۔

جب آپ کی نانی نماز تہجد کے لیے اُٹھیں اور آپ کو بستر میں نہ پایا تو نہایت اضطرار و اضطراب کی حالت میں تمام گھر والوں کو بیدار کر کے آپ کی تلاش شروع کی۔ بہت جستجو کے بعد ایک پتھر پر آپ کو استغراق کی حالت میں پایا اور وہاں سے اٹھا کر گھر لے گئے۔

اس واقعے کے بعد آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ ہر وقت مستغرق رہتے اور اپنی اور دوسروں کی قطعاً خبر نہ رہتی۔ جب دو تین روز کے بعد ہوش میں آتے تو فوراً صحرا کی طرف چل کر وہاں کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جاتے۔ کھانے پینے سے قطعاً لاتعلق رہتے اور شدید گرمی کے موسم میں مراقبے میں ایسے مستغرق ہوتے کہ سورج نصف النہار پر ہوتا لیکن آپ شدت گرمی سے بے خبر ہوتے تھے۔

ایمن آباد میں واپسی

آپ کی نانی اماں حتی المقدور آپ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھیں مگر آپ موقع پا کر صحرا کی جانب نکل جاتے اور وہاں مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر و بیشتر رات وہیں گزارتے۔ یہ حالت دیکھ کر

آپ کی نانی پریشان ہوئیں لہٰذا آپ کو لاکر والدین کے سپرد کر دیا، وہاں بھی یہی دستور رہا۔ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر صحرا میں چلے جاتے۔ ایک بار آپ حسبِ معمول صحرا میں تشریف لے گئے، آپ کے والد ماجد تحقیقِ احوال کی خاطر آپ کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور کچھ فاصلے پر دور بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایک بڑا سا سانپ آیا اور آپ کے والد ماجد کی پشت پر چڑھ گیا اور اپنا سر ان کی گردن کے برابر سے نکالا۔ یہ دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہو گئی اور بے اختیار ہو کر زور زور سے چلائے۔ حضرت سعدی نے مراقبے سے سر اُٹھا کر پیچھے دیکھا اور جوں ہی آپ نے نگاہ ڈالی، وہ سانپ اُتر کر صحرا کی جانب چل دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ کے والد بزرگوار نے معذرت چاہی اور کہا کہ میرے دل میں جو خدشہ پیدا ہو گیا تھا اب وہ جاتا رہا اور معلوم ہوا کہ تجھ پر جذبہ شوقِ الٰہی کا غلبہ ہو گیا ہے سو جہاں چاہو رہو، تمھارے ذمے جو میرے حقوق تھے وہ میں نے معاف کر دیئے[۵۸]

ایمن آباد سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک گنجان جنگل واقع تھا، جہاں جنگلی جانور اور درندے بکثرت رہتے تھے۔ جب آپ کی عمر سات برس کی ہوئی تو اسی جنگل میں جا کر مسلسل کئی کئی دن اور راتیں گزارتے تھے۔ سانپ آتے اور آپ کے سر اور بازوؤں سے لپٹ جاتے اور جنگلی جانور آپ کے گرد حلقہ باندھ کر جمع رہتے۔ آپ کے والد کا بیان ہے کہ جب چند دن گزر جاتے اور آپ گھر نہ آتے تو مجبور ہو کر میں اس پُرخطر جنگل میں چلا جاتا۔ وہاں جا کر دیکھتا کہ جنگلی جانور اور درندے سعدی کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ ان کے درمیان یادِ الٰہی میں مصروف اپنے خالق و مالک کے ساتھ لو لگائے ہوئے بیٹھے ہیں جب مراقبے سے سر اٹھاتے اور مجھ پر نظر پڑتی تو آدابِ فرزندانہ بجالا کر بہت زیادہ منع کرتے اور فرماتے کہ:

> در چنیں محل مہیب و ہولناک نمی آمدہ باشید مبادا از ایں سباع و وحوش شما را آسیبی و گزندی رسد[۵۹]

یعنی ایسی خوف ناک و ہولناک جگہ میں نہیں آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ درندوں اور جانوروں سے آپ کو کوئی گزند پہنچ جائے۔

سعد اللہ وزیر آبادی کی معیت میں سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضری

حضرت سعدی لاہوری کو کم عمری میں حضرت سید آدم بنوری کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا شرف

---

۵۸ جواہر اسرار الله دکوہاٹ، ص ۱۷۳، ۱۷۴ ۵۹ ایضاً، ص ۱۷۴، ۱۷۵

حاصل ہوا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میری عمر آٹھ یا نو برس کی تھی کہ ایک روز میں جنگل سے باہر آیا اور گاؤں کے قریب ایک کنوئیں کے کنارے وضو کرنے لگا۔ اتنے میں مولانا سعد اللہ وزیر آبادی، سید آدم بنوریؒ کی ملاقات کی غرض سے فقرا کی ایک جماعت کے ہمراہ اس راستے سے گزرے۔ جب مجھ کو وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے احباب و رفقا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اس کم عمری میں یہ بچہ کتنی احتیاط کے ساتھ وضو کر رہا ہے، اس کے بعد مجھ سے پوچھا کہ یہیں رہتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ چل پڑے تو میں نے سید موصوف کے بعض دوستوں سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سعد اللہ وزیر آبادی ہیں اور اپنے پیر کے حضور میں بنور جا رہے ہیں۔ بنور کا نام میرے ذہن میں پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ چند دن گزرنے کے بعد جذبۂ شوقِ الٰہی اور محبتِ باطنی نے مجھ پر غلبہ پا لیا۔ لہٰذا میں بھی بنور کی جانب روانہ ہوا۔ دریائے لدھیانہ کے قریب حاجی سعد اللہ کی جماعت سے جا ملا۔ بنور پہنچ کر سید آدم بنوری کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ سید آدم بنوری نے سعد اللہ وزیر آبادی سے ہر فقیر کے متعلق علیحدہ علیحدہ دریافت کیا۔ آخر میں میری باری آئی تو پوچھا یہ لڑکا کون ہے؟ مولانا سعد اللہ نے فرمایا کہ یہ بچہ بھی ہمارے ہمراہ آیا ہے اور عجیب و غریب احوال و معاش کا مالک ہے۔ راستے میں نہ تو کہیں کھانے پینے کی طرف رغبت ظاہر کی نہ فقرا کے ساتھ میل جول رکھا، ہمہ وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سید آدم بنوریؒ نے مولانا موصوف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

" مگوئید کہ ایں پسر ہمراہ من آمدہ است بلکہ گوئید کہ ما ہمراہ ایں پسر آمدہ ایم و ایں پسر سعادت مند ازلیست و مقبول لم یزلی اگر بروز حشر و نشر حق سبحانہ شمارا بخشد بہ طفیل بہ خواہد بود کہ چنیں مردی بہ رفاقت شمار در ینجا رسیدہ است [۵]

یعنی یہ مت کہو کہ لڑکا ہمارے ہمراہ آیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ہم اس لڑکے کے ہمراہ آئے ہیں۔ یہ لڑکا ازل سے سعادت مند اور خداوند لم یزل کی درگاہ میں مقبول ہے۔ اگر قیامت کے دن خدا تم کو بخش دے تو اس بچے کے طفیل سے بخشے گا کہ ایسا آدمی تمھاری رفاقت میں یہاں آیا ہے۔

---

۵ ظواہر السرائر (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) ص ۲۳۰

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوری نے مجھے بلا کر پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے"۔ میں نے کہا "سعدی"۔ یہ سن کر مبارک باد دی اور فرمایا۔ جہاں کہیں بھی رہو تم سعدی ہو اور جہاں کہیں بھی جاؤ تم سعدی ہو اور پھر مکرر فرمایا۔ سعدی! سعدی!! سعدی!!! جس کسی کو ازل نے سعادت مند بنا دیا ہے وہ ہر وقت اور ہر گھڑی سعادت مند ہے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت سید آدم بنوری نے آپ کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا اظہار کیا، ذکر باطنی کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ مند کیا اور بعد ازاں اپنے حرم محترم میں لے جا کر نوازشات بے غایات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت سعدی اس ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پس غایت ہائے بے شمار و تلطفات بسیار کردہ ہمراہ خود بہ حرم محترم بردہ بہ اہل حرم ہم مخاطب شدہ فرمود کہ امروز کودک خرد سال صالح، سعادت مند ازلی رسیدہ است کہ بہ غایت نیکو می نماید و دریں اوان طفولیت و خرد سالی بہ صحبت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مشرف و معزز و مکرم است و حضرت فاطمۃ الزہرا وی را بہ فرزندی قبول کردہ است و کار او بہ غایت عجیب و معاملہ غریب است ؎۱۱

پس بہت زیادہ لطف و کرم فرمایا اور اپنے حرم محترم میں اپنے ساتھ لے گئے اور اہل خانہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج ایک صالح سعادت مند ازلی چھوٹا بچہ پہنچا ہے کہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا ہے اور اس بچپن کے زمانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہے اور حضرت فاطمۃ الزہرا نے ان کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے اور اس کا کام اور معاملہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

شیخ اسد اللہ لاہوریؒ کے ہمراہ حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضری

سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد حضرت سعدی لاہوری نے نوکری اختیار فرمائی ؎۱۲۔ ایک دن اپنے

؎۱۱ ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۲۴۱

؎۱۲ شیخ سعدی نے نوکری کس کے ہاں اختیار کی تھی۔ اس بارے میں مستند معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ ظواہر السرائر اس سلسلے میں خاموش ہے اور نتائج الحرمین میں نوکری کا ذکر کیا گیا ہے، مگر آقا کا نام نہیں بتایا گیا ہے۔ شیخ اسد اللہ نے بھی اپنے بیان میں صرف آقا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ خزینۃ الاصفیا میں نوکری کا ذکر موجود نہیں،

آقا کے ہمراہ شیخ اسد اللہ لاہوری[۵۱] کی خدمت میں حاضری دی۔ شیخ اسد اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے سعدی کے آقا نے طریقۂ مروجہ کے مطابق سلوک و طریقت میں تلقین حاصل کی۔ اس کے بعد کہا کہ میرے نوکر کو بھی اس طریقے کی تلقین کیجیے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ تلقین کے بعد وہ بے شعور ہوا اور چند روز تک استغراق میں مست پڑا رہا، جب میں اس پر متصرف ہونے سے قاصر رہا تو مجبوراً اسے حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں لے گیا اور اسی روز سے آپ مستقلاً حضرت آدم بنوری کی صحبت و تربیت میں رہ کر ترقی کی منازل طے کرتے رہے۔

شیخ اسد اللہ لاہوری کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"چوں حال او بہ کمال ترقی گرفتہ بود و در خود قوت آں نہ دیدم کہ براحت صرف شوم ناچار پیش مرشدی خلیفۃ الزمان آوردم ایشان چون مریدان مرا دیدند ہر یک را احوال پرسی کردند و شیخ سعدی را ہیچ نہ گفتند روزی فرمودند یا اسد اللہ در یاران تو ایں پسر خوب صاحب استعداد است و تربیت او بر ماست ازاں او در تربیت آنحضرت بودہ و روز بروز ترقی میکرد۔"[۵۲]

چوں کہ اس کا حال ترقی کی منزل تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اپنے اندر وہ طاقت نہ پائی کہ ان پر متصرف ہو جاتا۔ مجبوراً اپنے پیر و مرشد خلیفۃ الزمان (حضرت سید آدم بنوریؒ) کے پاس لے آیا۔ آپ نے میرے مریدوں کو دیکھا تو ہر ایک کا حال پوچھا اور شیخ سعدی کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ ایک دن مجھے فرمایا کہ اے اسد اللہ! تیرے دوستوں میں یہ لڑکا بہت صاحب استعداد ہے اور اس کی تربیت ہمارے ذمے ہے (اور) اسی روز سے وہ (سعدی) ان کی

(بقیہ حاشیہ[۵۰]) البتہ صاحب تحقیقات چشتی نے شیخ سعدی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ "آپ ابتدا میں شاہ جہان کی فوج میں ملازم تھے۔ کسی دوسرے مستند ذریعے سے اس کی تائید نہ ہو سکی لیکن قرینِ قیاس یہی ہے کہ آپ شاہ جہان کی فوج میں ملازم رہے، کیوں کہ زمانہ ایک ہے اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ شاہ جہان اور اورنگ زیب کی فوج میں بڑے بڑے اصحاب طریقت بزرگ ملازم رہے ہیں۔ واللہ اعلم

[۵۱] شیخ اسد اللہ لاہوری، حضرت سید آدم بنوری کے محبوب مقبول احباب میں سے تھے اور اپنے دور کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ نتائج الحرمین (قلمی) مولانا محمد امین چشتی ۱۱۴۱ھ، ص ۱۹۹، ۲۰۳

[۵۲] ملاحظہ ہو نتائج الحرمین از مولانا محمد امین چشتی، ص ۱۹۹، ۲۰۳۔

تربیت میں رہ کر روز بروز ترقی کرتے رہے۔

سید آدم بنوری سے بیعت

حضرت سعدی کو خداوند کریم نے بے حد عنایات و نوازشات سے سرفراز فرمایا تھا اور ایسی استعداد بخشی تھی کہ ان کو تربیت و تلقین کی بھی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت سید آدم بنوریؒ نے ایک بار ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

برب المعبود جلّ سلطانہٗ قسم است کہ اللہ تعالیٰ بہ ارادۂ ازلی استعداد ترا چنان آفریدہ است و فطرت تو چنان خلقت کردہ است کہ خود بخود کار تو جاری است و ہیچ موقوف بہ تلقین و تربیت من نیست۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم"[۵۵]

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادۂ ازلی سے تیری استعداد ایسی پیدا فرمائی ہے اور تیری فطرت ایسی بنائی ہے کہ تیرا کام خود بخود رواں دواں ہے اور میری تلقین و تربیت پر کچھ منحصر نہیں۔

مگر چوں کہ راہِ سلوک کی جادہ پیمائی میں کسی رہبر کامل کی ضرورت ہے اس لیے آپ حضرت سید آدم بنوریؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

"فقیر ولی مادرزادم اما دریں راہ از پیر ناگزیر است لہٰذا بر دست پیر کامل بیعت کردم کہ جامع مقامات حضرت بزرگ خود است"

فقیر مادرزاد ولی ہے ... مگر اس راہ میں پیر کا ہونا ضروری ہے پس پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ پیر کامل جامع مقامات حضرت بزرگ خود (سید آدم بنوریؒ) ہیں۔

حضرت سید آدم بنوری کے خلفا میں سعدی کا مقام

حضرت سعدی لاہوری کا شمار سید آدم بنوری کے جلیل القدر خلفا میں ہوتا ہے اور آپ کے مریدین میں ان کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ حضرت مولانا سید محمد قطب[۵۶] فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ آرزو

---

[۵۵] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۱۵۸

[۵۶] حضرت مولانا سید محمد قطبؒ حضرت سید آدم بنوری کے بڑے صاحب زادے سید خواجہ محمد کے فرزند اور حضرت شیخ سعدی لاہوری کے منظور نظر مرید و رفیق تھے۔ ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۴۲ء میں بنور کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ۱۱۰۸ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں مغل خیل (ضلع پشاور) میں وفات پائی۔ بنور میں مدفون ہیں۔ ملاحظہ ہو ظواہر السرائر (لاہور) ۵۲۹ - ۵۵۱

تھی کہ حضرت سید آدم بنوری کے خلفا و اصحاب کی نسبت[۷] مجھ پر عیاں ہو جاتے لہٰذا اپنے پیر و مرشد حضرت سعدی کی خدمت میں درخواست کی جس کے بعد آپ نے رضامندی کا اظہار کر کے وہ میری طرف متوجہ ہوتے۔ حضرت میاں صاحب جھکنی ان کی زبانی یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"التفات خاطر شریف بہ من گماشتند و نسبت جمیع اصحاب و خلفا حضرت بزرگ خود بہ من نمودند وظاہر ساختند۔ نسبت حضرت ایشان را مون ماہ شب چہاردہ دیدم کہ نوروی محیط تمام عالم بودہ و نسبت ہائی دیگر اصحاب و خلفا حضرت بزرگ خود در جنب نسبت آنحضرت چون ستارہ گان می درخشند و می تابند[۸]"

(آپ) میری طرف متوجہ ہوتے اور حضرت خود (سید آدم بنوریؒ) کے تمام اصحاب و خلفا کی نسبت مجھ پر ظاہر کر دی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ایشان (سعدی) کی نسبت چودھویں چاند کے مانند روشن ہے اور سیّد آدم بنوری کے دوسرے اصحاب کی نسبتیں آپ کے گرد ستاروں کی طرح روشن تھیں۔

سفرِ حجاز

آپ پہلی بار ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۴۲ء میں اور دوسری بار ۱۰۷۶ھ بمطابق ۱۶۶۵ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۰۵۲ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید آدم بنوری اپنے متعدد مریدین و معتقدین کی معیت میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کے معاندین نے بادشاہِ وقت شاہ جہان کو خبر پہنچائی کہ سید آدم بنوری کے ہمراہ اتنے زیادہ لوگ ہیں کہ وہ کسی وقت بھی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنے وزیر سعد اللہ خان کو تحقیق حال کی خاطر ان کے پاس بھیجا۔ حضرت سید آدم بنوری اس کے ساتھ نہایت بے توجہی سے پیش آئے۔ کافی دیر تک تو ہم کلام نہ ہوئے اور جب کلام کیا تو وہ بھی حُبِ دنیا کے ترک کرنے کی نصیحت فرمائی۔ نواب سعد اللہ خان آپ کے اس طرزِ عمل سے رنجیدہ خاطر ہوئے، لہٰذا بادشاہ کے پاس جا کر اس خبر کی تصدیق کر دی اور مشورہ

---

[۷] اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیتِ غیبیہ لازیذہ پیدا ہو جاتی ہے اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہو جاتا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس کو نسبت (کیفیت باطنی) کہتے ہیں۔ (التکشف عن مہمات التصوف از مولانا اشرف علی تھانویؒ طبع لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۲۹۱

[۸] ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۵۲۹

دیا کہ سید آدم بنوری کو کسی بہانے یہاں سے رخصت کیا جائے۔ چنانچہ شاہ جہان نے سرزمین ہند سے آپ کے اخراج کا حکم صادر کر دیا۔ جب ولی عہد دارا شکوہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت خفا ہوئے اور بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"باچنیں بزرگان چنان سلوک بادشاہان را نقصان کلی دارد و سعادت ما و شما بود کہ ملک ہند ہمچو نادر الوجود آمد و شما بہ گفتہ حاسدان ایشان را از ملک خود اخراج فرمودید نمی رانید کہ علمائے ظواہر ہمیشہ با بزرگان دین معاند و حاسد بودہ اند و حتی المقدور در ازار و تصدیع اہل اللہ کوشیدہ اند"[۱۹]

ایسے بزرگوں کے ساتھ بادشاہوں کا اس قسم کا سلوک سراسر موجب نقصان ہے میری اور آپ کی نیک بختی یہ تھی کہ سرزمین ہند میں ایسی نادر الوجود ہستی آئی ہے اور آپ نے حاسدوں کے کہنے پر ان کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ علمائے ظاہر ہمیشہ سے بزرگان دین کے مخالف رہے ہیں۔

دارا شکوہ کا بیان سن کر بادشاہ کا سر ندامت سے جھک گیا اور فوراً اپنے ایک امیر میر منصور بدخشی کو خلعت شاہانہ دے کر سید آدم بنوری کی خدمت میں بنور بھیجا۔ مگر اس کے آنے سے پہلے آپ حج کی نیت سے وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ شیخ سعدی کو اس سفر میں حضرت آدم بنوری کی رفاقت نصیب نہیں ہوئی کیوں کہ اس موقعہ پر آپ کے والد آپ کی ملاقات کے لیے لاہور آئے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ سعدی بھی سید آدم بنوری کے ہمراہ سفر حج کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان سے چند دنوں کی اجازت چاہی تاکہ اس فرصت میں وہ اپنی والدہ سے ملاقات کر سکیں۔ حضرت سید آدم بنوری نے یہ درخواست منظور کی اور سعدی کو رخصت ہونے سے پہلے مجاز و ماذون کر کے کلاہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت سعدی والدہ سے ملاقات کے بعد واپس لاہور آئے تو معلوم ہوا کہ میر منصور بدخشی بادشاہ کے حکم سے بنور جا رہا ہے۔ آپ ان کے ہمراہ بنور روانہ ہوئے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے سید آدم بنوری وہاں سے حجاز کی جانب چل پڑے تھے۔ آپ میر منصور بدخشی اور چند دیگر رفقا کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہو کر مکہ پہنچ گئے مگر چونکہ ایام حج گزر چکے تھے۔ اس لیے اس سال حج کی سعادت

۱۹۔ ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۱۹۶ - ۱۹۷

نصیب نہ ہوئی۔

حضرتِ سید آدم بنوریؒ نے حج کے بعد مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ فرمایا، مگر شدتِ گرمی کی بنا پر خود کچھ وقت تک اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت سعدی کو اپنا نائب مقرر کر کے احباب و رفقا کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت فرمایا۔[۲۰]

گرمی کا موسم ختم ہوا تو حضرت سید آدم بنوریؒ بھی مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بیمار پڑ گئے اور ۱۳ شوال جمعہ کی صبح کو ۱۰۵۳ھ بمطابق ۱۶۴۳ء میں مدینہ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔[۲۱]

حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ جب حضرت سید آدم بنوریؒ کی زندگی کے آخری لمحات تھے، مجھے اپنے پاس بلایا اور تنہائی میں بے حد نوازشات کر کے اپنے سینۂ بے کینہ کے کمالاتِ لانہایت سے مشرف کیا اور اسم اعظم عطا فرمایا۔[۲۲]

مولانا یار محمد لاہوری کی صاحب زادی کے ساتھ نکاح

سید آدم بنوری کی وفات کے بعد شیخ سعدی وطن کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں شمس الدین خان قصوری کی التماس پر قصور میں چند دن قیام فرمایا۔ قصور سے رخصت ہو کر لاہور آئے اور چند دنوں کے بعد شمس الدین خان قصوری، شیخ بایزید اور بعض دیگر مخلص رفقا کی تحریک پر مولانا یار محمد لاہوریؒ کی صاحب زادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔[۲۳]

---

[۲۰] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۰۲ - ۲۰۳

[۲۱] ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۱۷۹ - ۱۸۰۔ جناب اعجاز الحق قدوسی نے اپنی کتاب "تذکرہ صوفیائے پنجاب" میں شیخ سعدی کے حالات کے ذیل میں سید آدم بنوری کی تاریخ وفات ۱۳ شوال کی جگہ ۲ شوال لکھی ہے، جس کی کسی دوسرے ذریعے سے تائید نہ ہو سکی۔ حضرت میاں صاحب چمکنی نے تاریخ وفات ۱۳ شوال بتائی ہے اس لیے قریب واقعہ ہونے کے سبب حضرت میاں صاحب کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ واللہ اعلم

[۲۲] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۱۱ - ۲۱۲

[۲۳] ایضاً، ص ۲۱۲ - ۲۱۳ ـــ مولوی نور احمد چشتی، شیخ سعدی کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

لاہور میں پورے ۵۵ سال تک مخلوقِ خدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے ۔ بے شمار طالبانِ حق آپ کے چشمۂ فیض سے فیض یاب ہوئے اور بالآخر ۱۱۰۸ھ بمطابق ۱۶۹۶ء بدھ کے دن ۳ ربیع الثانی کو دینی علوم کا یہ آفتابِ درخشندہ غروب ہو گیا ۔

حضرت سعدی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سعدی سچے عاشقِ رسول تھے اور آپ کے دل میں ہر وقت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں ایام زندگی گزارنے اور مقاماتِ مقدسہ میں موت نصیب ہونے کی تمنا رہتی تھی جو بالآخر پوری ہوئی ۔

فقر و تجرد کا حال

آپ ایک درویش منش بزرگ تھے ۔ ابتدائے حال کے زمانے میں تقریباً ۲۵ برس تک نہایت

(بقیہ حاشیہ ص۳۳) جب شیخ آدم بنوری بیت اللہ شریف کے سفر پر روانہ ہوئے تو اس وقت شیخ سعدی کو خلقِ خدا کے ارشاد و ہدایت کی خاطر لاہور میں چھوڑ گئے تھے ۔ محمد دین کلیم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے ۔ (لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم، ص ۱۳۴) مگر راقم الحروف کو اس کے ساتھ اتفاق نہیں ہے ۔ دراصل بات یہ ہے کہ حضرت آدم بنوری نے اس موقعہ پر اگرچہ حضرت سعدی کو خلافت سے نوازا تھا اور شیخ سعدی کے والد کی درخواست پر والدہ سے ملاقات کے لیے چند دنوں کی اجازت دے دی تھی لیکن ملاقات کے فوراً بعد وہ سید آدم بنوری کی رفاقت اختیار کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہوئے ۔ مکہ میں ان سے ملے ۔ مدینہ منورہ کے سفر میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیا اور ان کی وفات تک مدینہ منورہ ہی قیام پذیر رہے ۔ شیخ سعدی خود فرماتے ہیں کہ :

در وقت احتضار حضرت بزرگ خود من حاضر بودم ۔ در وقت انقطاع نفس مبارک اشک از دیدہ حق بین جاری بود و چون نفس مبارک منقطع شد ہمچنان قطرات اشک از چشمان می رفت تا بوقتیکہ ایشان را غسل دادند قطرات اشک منقطع شدند ۔ ظواہر السرائر (کوہاٹ) ، ص ۱۹۶ - ۱۹۷

یعنی میں حضرت بزرگ خود (سید آدم بنوری) کے نزع کے وقت حاضر تھا ۔ انقطاع نفس کے وقت آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ روح منقطع ہو جانے کے بعد بھی آنسو کے قطرات جاری رہے تا وقتیکہ ان کو غسل دیا گیا ۔ اس کے بعد آنسو رک گئے ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ سید آدم بنوری کی وفات کے بعد لاہور تشریف لائے ہیں ۔

فقر و فاقہ کی زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات کھانے کے لیے کچھ میسر نہ آتا تھا۔ یہ حال بیان کرتے ہوئے آپ خود فرماتے ہیں کہ جب بھوک کا غلبہ ہو جاتا تو میں دریا کی جانب نکل جاتا اور ریت کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا تھا، جس سے بدن میں کچھ قوت پیدا ہو جاتی تھی۔[۲۴]

شادی (۱۰۵۳ھ) کے بعد بھی کچھ مدت تک یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ دس دس روز تک کھانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد میرے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر گھر میں ایک بھی پیسہ نہ تھا جس سے بچی اور اس کی ماں کے لیے کھانے پینے اور دوا کا بندوبست ہو سکے۔ چنانچہ بھوک کی شدت کے باعث بچی کی ماں کے پستانوں میں دودھ خشک ہو گیا۔ بچی اکثر روتی رہتی جس کی وجہ سے اس کا جسم نہایت کمزور ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ایک دن اس کی جدۂ ماجدہ کو اس پر رحم آیا۔ گود میں اٹھا کر میرے پاس لے آئیں اور مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ اس بچی پر رحم کرو۔ میں نے جواب میں کہا کہ حق تعالےٰ اس بچی پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

خدا کا احسان تھا کہ رفیقۂ حیات بھی موافق حال ملی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے بیوی سے کہا کہ اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤ، وہاں سامانِ زندگی موجود ہے۔ چند دن آرام ملے گا۔ بیوی نے جواب میں کہا:

مردن و زیستن بہ اختیار حضرت حیّ لایموت است جل شانہٗ۔

اس کے چند دن بعد وہ بچی خدا کو پیاری ہو گئی۔[۲۵] بعد میں اگرچہ آپ کو ہر قسم کا سامانِ زندگی حاصل رہا مگر آپ ہمیشہ عیش و عشرت کی زندگی سے گریزاں رہے یہاں تک کہ سفر و حضر دونوں میں نرم بستر کے استعمال کرنے سے بھی اجتناب کرتے رہے۔

حضرت میاں صاحب چمکنی فرماتے ہیں کہ ۱۱۰۶ھ بمطابق ۱۶۹۴ء میں جب حضرت سعدی دوسری بار پشاور تشریف لائے تو اس وقت بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے نہایت ضعیف و نحیف ہو چکے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی صرف ایک کھردری اور موٹی اونی قبا رات کے وقت بطور بچھونا استعمال کرتے تھے۔[۲۶] آپ فخر و مباہات اور نام و نمود کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے لہٰذا اپنے احباب و اصحاب کو نصیحت

---

[۲۴] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۲۹ [۲۵] ایضاً، ص ۲۲۶-۲۲۳ [۲۶] ایضاً، ص ۲۲۰

کرتے ہوئے یہ تاکید فرمایا کرتے تھے:

"اگر ما را بعد از ما یاد کنید نہ گوئید کہ قطب بود یا غوث بود یا امام و خلیفہ بود۔ گوئید فقیر بودہ و بندہ بودہ از بندگان خدا تعالےٰ کہ خدا را یاد می کرد و اگر چیزی برین زیادہ کنید گوئید کہ بندہ بود از بندگان خدا تعالےٰ کہ خدا را یاد میکرد و ہر کہ برائے طلب حق پیش وی آمد او را بہ خدائے تعالےٰ آشنا می کرد"[۲۷]

اگر مجھ کو میرے مرنے کے بعد تم یاد کرو تو یہ نہ کہا کرو کہ قطب تھا یا غوث تھا یا امام یا خلیفہ تھا۔ کہنا کہ خدا کے بندوں میں ایک بندہ تھا جو خدا کو یاد کرتا تھا اور اگر تم اس پر کوئی اضافہ کرو تو کہنا کہ ایک بندہ تھا خدا کے بندوں میں جو خدا کو یاد کیا کرتا تھا اور جو کوئی طلب حق کی خاطر اس کے پاس آتا اسے خدا سے آشنا کرتا تھا۔

اس شانِ فقیری کے باوجود نہایت بارعب اور پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی مجالسِ ارشاد میں ہر وقت سنجیدگی اور وقار کا سماں رہتا اور آپ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی۔ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ ان کی ایک مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در صحبت با بہجت آنحضرت جمیع اکابر علما و مشائخ و اعالی و ادانی شہر پشاور و سوادان حاضر بودند و خیلے صحبتِ گرم بود و با ہیبت و ارادت آراستہ و بہ تمکین و وقار براستہ و کسے را دران محل مجال دم زدن و سخن گفتن نہ بود من نیز بہ ہمان شیفتگی در مجلس شریف حاضر شدم دیدم کہ آنحضرت در میان حقائق و معارف چوں ابر گراں مایہ نیسانے می جوشند و نکات عجیبہ و لآلی رموزات غریبہ در صدف گوش مستمعان می رسند"[۲۸]

آپ کی مسرت بخش صحبت میں شہر پشاور کے تمام اکابر علما و مشائخ اور اعلیٰ و ادنیٰ سب موجود تھے اور مجلس خوب گرم تھی۔ آپ ہیبت و ارادت اور وقار و تمکنت سے آراستہ تھے اور کسی میں دم مارنے اور کلام کرنے کی جرأت نہ تھی۔ میں بھی اس شیفتگی کے ساتھ مجلس میں آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا گراں مایہ ابر بہاری جوش مار رہا ہے اور عجیب و غریب نکات اور اسرار و رموز کے موتی سامعین تک پہنچا رہے ہیں۔

---

۲۷ ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۶۲

۲۸ ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۶۰۶ - ۶۰۷

خودداری اور شانِ استغنا

آپ بے انتہا منکسر، مستغنی المزاج اور خود دار شخصیت کے مالک تھے اور دنیادار قسم کے سلاطین و حکام سے میل جول اور اختلاط سے حتی الوسع احتراز فرماتے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد معظم جب اپنے باپ اورنگ زیب عالمگیر کی قید سے رہا ہوا تو دکن سے لاہور آیا اور حضرت سعدی کی خدمت میں اپنا آدمی بھیج کر ملاقات کی درخواست کی۔ آپ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ:

دیدن فقرا محض برائے خدمت متضمن منافع دینی و دنیوی است، اگر چنین بہ خاطر است باک نہ دارد و اگر غرض آلود باشد و استدعا سلطنت و دیگر مطالب دنیوی درمیان آرد آمدن ویرا نمی خواہم[۲۹]

فقرا کے ساتھ ملاقات صرف خدمت و عقیدت کے خیال سے بہت سے دینی و دنیاوی منافع پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر یہی خیال ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر خود غرضی پر مبنی ہو اور سلطنت کی استدعا یا دوسرے دنیاوی مقاصد کی خواہش ہے تو اس کے لیے میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں آؤ۔

اسی طرح ایک بار سلطان اورنگ زیب واقعہ خیبر سے فارغ ہو کر لاہور واپس آیا تو ایک قاصد حضرت سعدی کے پاس بھیجا اور ملاقات کی التماس کی مگر ادھر سے حسبِ معمول بے نیازی اور استغنا کا مظاہرہ ہوا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ:

باعث دیدن یک دیگر خالی از وجوہ نیست غرض استدعا ہست یا استفادہ حق یا افادہ اگر مراد شما استدعا ہست بس ما بہ ایں امر موریم کہ پیوستہ شما را دعا میکنیم احتیاج آمدن و دیدن و گفتن نیست۔[۳۰]

ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات چند وجوہ سے خالی نہیں ہوتی یا تو مقصود استدعا ہوتی ہے یا استفادہ یا افادہ۔ اگر تمہارا مطلب استدعا ہے تو ہم اس پر تیار ہیں کہ ہمیشہ تمہیں دعا دیتے رہیں۔ لہٰذا یہاں آنے، ملاقات کرنے اور بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

فیوض و برکات

آپ اپنے دور کے ایک کامل، نافع اور نافع الخلق روحانی پیشوا گزرے ہیں۔ آپ کے فیوض و

۲۹ھ ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۶۹ ۳۰ھ ایضاً ۳۱ھ نتائج الحرمین، ص ۲۲۰

برکات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور آپ کے خلفا و مریدین کی تعداد بے شمار تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ :

مریدان ما مانند ستارہ ہای آسمان از حیطۂ شمار خارج اند و منجملہ آنہا بہ تکمیل کمال بہ رتبۂ اجازت وارشاد رسیدند[۵۳۲]

ہمارے مرید آسمان کے ستاروں کی مانند بے شمار ہیں اور ان میں سے ایسے بھی (بہت سے مرید) ہیں جو مرتبۂ کمال پر پہنچ کر اجازت وارشاد کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

حضرت سعدی کی دینی خدمات کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنے فیوض سے نہ صرف سرزمینِ پنجاب کو منور کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شمال مغربی سرحدی صوبہ اس کے ملحقہ قبائلی علاقوں میں بھی لوگوں کی اصلاح کے لیے زبردست مہم چلائی جس کے نتیجے میں حضرت شیخ محمد یحییٰ (حضرت جی اٹک) اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی جیسے نامور اور جلیل القدر مرید پیدا ہوئے جنھوں نے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی احیا و اشاعت کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان حضرت کی مخلصانہ تگ و دو کے نتیجے میں دین حق کو بے حد تقویت ملی اور طریقہ نقشبندیہ کو اس علاقے میں زبردست فروغ حاصل ہوا۔

کشوف و کرامات

اولیاء اللہ کی اصل کرامت، کتاب و سنت کا اتباع اور خلافِ اولیٰ امور سے اجتناب ہوتا ہے۔ تاہم خداوند تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے بعض اوقات ان کو کرامت حسی بھی عطا فرماتا ہے۔ حضرت سعدی ایک صاحب کشف و کرامت اور مستجاب الدعوات ولی تھے اور خداوند تعالیٰ نے آپ کو کرامت کے نہایت اعلیٰ مراتب پر سرفراز فرمایا تھا۔ مولانا محمد امین بدخشی اور میاں صاحب چمکنی نے آپ کی کرامات کے بے شمار واقعات قلم بند کیے ہیں، جن کی تفصیل میں جانا باعثِ طوالت ہوگا البتہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق ایک واقعہ درج ذیل ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شاہ جہان نے ہندوستان سے سید آدم بنوری کے اخراج کا حکم صادر کیا تو یہ سن کر حضرت سعدی بہت غضب ناک ہوئے۔ یہاں تک کہ ہاتھ میں غیبی تلوار لے کر بادشاہ کا سر قلم کرنے

---

۵۳۲ خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۶۵۲

کا ارادہ کر لیا۔ دریں اثنا حضرت سید آدم بنوریؒ ظاہر ہوئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

از بادشاہ اسلام تحمل لازم است و نیک خواہی او واجب زنہار بدی او نہ خواہی کہ وجودش سبب امن وامان ست بدی او بدی بہ تمام عالم است[۳۳]

بادشاہ اسلام کے بارے میں تحمل لازم ہے اور اس کی خیر خواہی واجب۔ خبردار! اس کی برائی مت چاہو کیوں کہ بادشاہ کا وجود امن وامان کا موجب ہے اور اس سے برائی کرنا تمام نوع انسانی سے برائی کرنے کے مترادف ہے۔

مدفن

آپ شہر لاہور کے جس حصے میں مدفون ہیں۔ ابتدا میں یہ مقام پیر مزنگ کے نام سے موسوم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا نام موضع مزنگ مشہور ہوا۔ جس احاطے میں آپ آرام فرما ہیں وہ آپ کے نام کی مناسبت سے سعدی پارک کہلاتا ہے۔ یہاں تقریباً دس فٹ اونچی چار دیواری کے اندر ایک اونچے چبوترے پر آپ کی قبر ہے جس پر آپ کی وصیت کے مطابق گنبد تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔ چار دیواری کے مشرقی کونے میں ایک اور قبر بھی موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں حضرت سعدیؒ کا احاطہ قبر ایک وسیع باغ میں گھرا ہوا تھا اور اس باغ کی آبیاری کے لیے دو کنوئیں تعمیر کیے گئے تھے۔ سکھوں کے دور میں وہ باغ اور کنواں سکھ گردی کی نذر ہو کر اُجڑ گیا۔ بعد کے زمانے میں ہدایت خان بلوچ ساکن مزنگ باغ کے قطعۂ زمین پر قابض ہوا اور اب تک یہ زمین اس کی اولاد کے قبضے میں ہے[۳۴]

اولاد

سعدی لاہوری کے چار صاحب زادے تھے اور ہر ایک زہد و تقوےٰ اور علم و عمل میں اپنے بزرگوار کا سچا جانشین تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

ہر چہار ستونِ دینِ متین بودند و بہ دست گیری عالی قدر آنچنان بہ کمالاتِ ظاہری و باطنی رسیدند کہ از ہمہ مشائخ متاخرین گوئے سبقت بردند[۳۵]

---

۳۳ نتائج الحرمین ورق ۲۲ ۔ ظواہر السرائر، ص ۱۱۵، ۱۱۶

۳۴ لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں از محمد دین کلیم، ص ۱۳۱، ۱۳۲

۳۵ خزینۃ الاصفیا، ص ۶۵۲

چاروں (صاحب زادے) دینِ متین کے ستون تھے اور سب اپنے عالی قدر باپ کے ظاہری و باطنی کمالات کے حامل تھے اور متأخرین مشائخ پر سبقت لے گئے تھے۔

ان کے مختصر حال حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ خواجہ محمد سلیم: خواجہ محمد سلیم آپ کے فرزند اکبر تھے۔ وہ یار محمد لاہوری کی صاحب زادی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے[۳۶]۔ آپ جملہ انسانی کمالات سے متصف اور تمام امور میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ خدا نے آپ کا سینہ حفظِ قرآن کے شرفِ عظیم سے مشرف فرمایا تھا۔ تلاوتِ کلام پر اتنی مداومت کرتے کہ خواب و بیداری دونوں حالتوں میں بے اختیار کلامِ ربانی آپ کی زبان پر جاری ہوتا تھا[۳۷]۔

۲۔ خواجہ عیسٰی: خواجہ محمد عیسٰی، حضرت سعدیؒ کے نہایت محبوب اور چہیتے بیٹے تھے۔ انھوں نے بہادر شاہ سلطان معظم کا زمانہ پایا۔ آپ کے والد بزرگوار نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ان کو اپنا قائم مقام بنا کر طالبانِ حق کی تربیت وارشاد کے لیے مجاز و مرخص فرمایا تھا[۳۸]۔ بہت نیک، متقی اور متوکل علی اللہ تھے[۳۹]۔

بہادر شاہ سلطان معظم نے خواجہ موصوف کی عزت افزائی کی خاطر ان کو بڑا منصب عطا فرمایا تھا۔ مگر جب حضرت سعدیؒ کا انتقال ہو گیا تو اپنے منصب کو چھوڑ کر لاہور آئے اور مخلوق خدا کے ارشاد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت میاں صاحب چمکنی کے ساتھ بہت گہرے مراسم تھے اور حضرت میاں صاحب کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار خواجہ محمد عیسٰی اٹک تشریف لائے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا

---

[۳۶] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۱۸۵۔ یہاں یہ بات قابل ہے کہ حضرت میاں صاحب چمکنی نے خواجہ موصوف کے حالات کے ضمن میں ان کی والدہ ماجدہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "خواجہ محمد سلیم فرزند کلان آنحضرت است واز صلبیہ شریفہ مولانا یار محمد لاہوری است" دوسرے صاحب زادوں کے حالات بیان کرتے وقت اس امر کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ایک سے زیادہ عورتیں سعدی کے عقدِ نکاح میں تھیں۔ واللہ اعلم۔

[۳۷] ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۵۱۴ [۳۸] ایضاً (کوہاٹ)، ص ۲۲۲ [۳۹] ایضاً (لاہور)، ص ۵۱۶

کہ تمہاری کشش تھی کہ یہاں چند دن قیام کیا ورنہ دو تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔[۴۵]

حضرت خواجہ عیسےٰ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند۔ خواجہ غلام محمد اور خواجہ محمد صادق۔ عطا فرمائے۔

۳۔ خواجہ محمد یوسف : خواجہ محمد یوسف آپ کے تیسرے فرزند تھے اور بڑے عالم و فاضل اور باکمال صوفی تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے علاوہ حضرت محمد یحییٰؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بڑے عابد و زاہد اور مرتاص بزرگ تھے۔ شب بیدار تھے اور نماز تہجد کے پابند۔

۴۔ خواجہ محمد عارف : آپ حضرت سعدی کے فرزند اصغر تھے، ان کے ساتھ بے حد پیار و محبت کرتے۔ آپ کی نظرِ تربیت باطنی ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہی۔ حضرت سعدی فرمایا کرتے تھے کہ: عارف اسم بامسمّٰی اور عارف سلطان العارفین ہوگا۔ عارف ہمارے آخری وقت کا نتیجہ ہے۔ بہت سے کمالات کا حامل ہے اور بلند مناصب پر فائز ہوگا۔

---

[۴۵] ظواہر السرائر (لاہور)، ص ۷۵۰

برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ :- محمد اسحاق بھٹی

اس کتاب میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر (۱۱۱۸ھ) کے عہد تک کی تمام فقہی مساعی کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند علمِ فقہ سے کس طرح روشناس ہوا۔ یہاں کے علما و زعما نے کس محنت و جاں فشانی سے اس کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا اور کن اہم فقہی کتابوں کی تدوین کی۔ برصغیر پاک و ہند کے جن سلاطین کے دورِ حکومت میں کتبِ فقہ مرتب کی گئیں، ان کے عہد اور طریق حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس زمانے کے علمائے کرام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و ربط رکھتے تھے۔ پھر فقہ کی جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، اس کے اہم اقتباسات بھی فاضل مصنف نے درج کتاب کیے ہیں۔ آخر میں فقہ کی ان مشہور اکیاسی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، جو مختلف ملکوں میں تصنیف کی گئیں اور جن کو مسائل فقہ کے اصل مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے متعلق اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔

صفحات ۴۰۸ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا :- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور